Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 02، دسمبر-2024

اکبر الہ آبادی کی شاعری میں نو آبادیاتی عناصر

Colonial Elements in the Poetry of Akbar Ellah-Abadi.

حافظ گوہر محمود

اسکالر پی۔ ایچ۔ ڈی، رفاہ یونی ورسٹی فیصل آباد

عمارہ

اسکالر پی۔ ایچ۔ ڈی، رفاہ یونی ورسٹی فیصل آباد

eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

Copyright: © 2024 by the authors. This is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract:

Akbar Ellah Abadi is known for his humorous poetry in Urdu. He described the problems of colonies and local people of the subcontinent through his poetry. He wrote on colonialism during the period when political leaders and writers of the subcontinent were loyal to the British. Akbar knew that the British play an important role in the making time, yet Akbar did not back down from his position. His narrative is that of a courageous person. Akbar described the culture of his time in poetry and taught the nation to refrain from slavery to the British.

کلیدی الفاظ۔ نو آبادیات، استحصال، مزاحیہ شاعری، سیاست و ثقافت، حریت،

نو آبادیات (Colonialism) نئی آبادی (colony) سے ماخذ ہے۔ جس کے لغوی معنی نئی آبادی آباد کرنے یا نئی بستی بسانے کے ہیں۔ یہ لفظ بنیاسی طور پر لاطینی زبان سے لیا گیا ہے، جس کے معنی کچھ باترتیب لوگوں یا گروہ کا کسی اور آبادی کو یرغمال بنا کر اپنے فائدے کے لئے وہاں اپنی آبادیاں قائم کرنا ہے۔ جس جگہ یہ آبادیاں بنائی جاتی ہیں یہ لوگ اس جگہ کے رہائشیوں پر قبضہ جما کر اپنی حکومت اور معاشرت ان پر جبری سوار کرتے ہیں۔ عمومی طور پر یہ وہاں کے لوگوں و نو آبادی کے

Research Journal
Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر05، شمارہ نمبر02، دسمبر-2024

اصل باسیوں میں ناانصافی پر مبنی تعلق ہے جس وہاں پہلے سے موجود باسیوں کے حقوق کو پامال کیا جاتا ہے اور ان پر اپنی زبان، معاشرت، تہذیب، روایات، اصول و قوانین لاگو کیے جاتے ہیں۔ نو آبادیات کا اصل تعلق سرمائے کے حصول کے لیے مختلف منڈیوں کی تلاش سے تھا، یہ طاقتور اقوام کی علاقائی توسیع کا نام ہے۔

ڈاکٹر ناصر عباس نیئر اسکے معنوی حدود کا تعین کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

".یہ لوگوں کے مخصوص گروہ کے ہاتھوں مخصوص مقاصد کی خاطر برپا ہونے والی صورت حال ہے"۔ 1

لسان العصر خان بہادر سیّد اکبر حسین المعروف اکبر الہ آبادی کا نام سنتے ہی لوگوں کے چہروں پر خوشی کی رمک دیکھائی دیتی ہے اور ان کے تاثرات یہ بتلاتے ہیں کہ اکبر کی مزاحیہ شاعری ان کے اذہان پر جھولنے لگی ہے، اس حقیقت سے سے بھی کنارہ کشی ممکن نہیں کہ اکبر اصلاحان ملت میں اہم مقام رکھتے تھے اور سب نے ان کی شاعری میں اصلاح ہر طرح سے دیکھی اور محسوس بھی کی، وہ چاہے اکبر کی شاعری کا کوئی بھی پہلو ہو، مذہبی پہلو ہو، ثقافتی پہلو ہو یا سیاسی پہلو ہو، انہوں نے مسلمانوں کی اصلاح کا فرض اپنے قلم سے اپنے سخن کے ذریعے نبھایا۔ لسان العصر اکبر الہ آبادی جس دور میں پروان چڑھے، وہ دور برصغیر میں اپنی معاشی، معاشرتی، سیاسی اور ادبی نقطہ نظر سے انقلابی تبدیلیوں کا اہم زمانہ تھا، اکبر نے کم عمری میں جنگ آزادی کو دیکھا اور اس کے اثرات قبول کیے، انگریزوں کی جانب سے اس جنگ کو غدر کے نام سے منسوب کیا گیا۔ 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی سے ہی مغلیہ سلطنت کا سورج بھی غروب ہوا اور ایک عظیم الشان ملک کی داغ بیل انگریزوں نے سنبھال لی اور اس ملک کی سمت خود تعین کرنے لگے، ساتھ ہی اس علاقہ کے مسلمانوں کا زوال شروع ہوا۔ انگریز کسی بھی ذریعے سے مسلمانوں کو سیاسی، معاشی اور معاشرتی طور پر کمزور کرنا چاہتے تھے، کیونکہ ان کے دل و دماغوں میں یہ بات گھر کر چکی تھی کہ اگر ہندوستان کو قبضہ میں رکھنا ہے تو مسلمان قوم کا استحصال کر کے اپنے قدم اس سرزمین پر جمائے جاسکتے ہیں، اس ضمن میں مسلمانوں کو سرکاری نوکریوں سے ہٹایا گیا، ان کی جائیدادیں ضبط کی گئیں، وظائف کا ختم کا خاتمہ کیا گیا، متعدد افراد کو کالا پانی کی سزا سنائی گئی، انگریز قوم کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو ختم کرنے کے لیے کڑی سے کڑی سزا دینے سے بھی دریغ نا کیا گیا، قتل عام کیا گیا، لوگوں کو پھانسیاں دی گئیں، مسلمانوں کو گھر سے بے گھر کیا گیا، ان کے چادر اور چار دیواری کا احترام نا کیا گیا، بنیادی حقوق چھین لئے گئے، مسلمانوں کے جو لوگ سرکار میں اعلی عہدوں پر براجمان تھے یا پھر مغل سلطنت کے شہزادے اور دیگر عہدے داران کو اس قدر لاچار کیا گیا کہ وہ دربدر ہو کے بھٹکنے لگے اور ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہوئے۔

میر تقی میر نے ان سسکیوں کو اپنے الفاظ میں یوں پرویا:

دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انھیں

تھا کل تک دماغ جنہیں تاج و تخت کا 2

اکبر الہ آبادی اس ظالمانہ نظام کے سخت خلاف تھے، انہوں نے انگریزوں کے منصوبہ ساز نظام کے بنیادی خطرات کو پہلے ہی دن سے بھانپ لیا تھا۔ ان کٹھن حالات میں ملک کی عوام خصوصا بظاہر قوم گہری مایوسی اور صدمہ کی سی حالت میں تھی۔ ان پیچیدہ حالات میں اکبر بھلا کیونکر آنکھیں موند سکتے تھے، اکبر اس مشکل وقت

Research Journal
Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر05، شمارہ نمبر02، دسمبر-2024

میں ملت کا بیڑا اٹھایا اور اپنی شاعری سے ان چھپے خطرات کو قوم کے سامنے لانے لگے، وہ ایک حریت پسند شاعر کے طور پر سامنے آئے، ان کی شاعری میں قوم سے محبت اور یکجہتی کا جذبہ عیاں ہوتا ہے، اسی وجہ سے اہل ادب آج بھی اکبر کو ایک مصلح کے طور یاد کرتے ہیں، اکبر اپنے ملک و قوم کی اقدار و روایات کے سپاہی تھے، یعنی مشرقیت پسند تھے، خود اکبر کی شاعری مغربی تہذیب و تعلیم کے برعکس نظر آتی ہیں۔ اکبر کو مشرقی عقائد کا بھی عرفان تھا اور مغربی علوم سے بھی اچھی واقفیت تھی، باوجود اس کے کہ اکبر کو معلوم تھا کہ زمانہ سازی میں انگریزوں کا کردار کلیدی ہے وہ اس کو روکنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، اکبر اپنے موقف پر ڈٹے رہے، ان کا شعری لہجہ بھی انگریزوں سے خوف زدہ نہیں،

اکبر الہ آبادی کے شعر اور شاعرانہ تقلم آج اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی سیاسی گفتگو کا محور دیکھائی دیتی ہے، یہ بات تحسین کے قابل ہے، کہ اکبر کے کلام کی کرنیں کتنی دور تک پھیل رہی تھیں اور اس میں سب صاف دیکھائی دے رہا تھا۔ طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کے لیے مشہور اکبر کا دور نو آبادیاتی دور ہے اور شاید یہ اسی دور کا تاثر تھا کہ پرانے رنگ میں غزل اور شاعری کرنے والے اکبر کی شاعری کا انداز یکسر بدل گیا، ان کے اس نئے طرز شاعری کے عہد میں زمانہ سانس لینے لگا۔ ان کی شاعری ہندوستان میں پھیلی لندن کی زہر آلودہ ماحول سے نکلنے والے مرض کی صرف نشانیاں نا بتلائیں بل کہ انکے کچے اذہان پر ہونے والے اثرات کو بھی ظاہر کرتی ہے

۔

مثلا:

آپ کو ہجرت ہو مبارک اکبر

ہم تو گنہگار ہی مار کے آسن بیٹھے ہیں 3

میں کہتا ہوں ہندو مسلمان سے کہ بھائیو

جوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو 4

ان کی شاعری اس خطے اور ان لوگوں کے حالات، احساسات و جذبات کی ترجمانی کرتی ہے جو غیر معمولی اذہان کے مالک ہیں، وہ پرانی اقدار سے لگاو بھی رکھتا ہے، اور ان کے رویوں کو بھی پڑھتا ہے۔ وہ عوام کے وقت کے ساتھ ہونے والے متغیر کردار کو سمجھتا ہے، کہ اس کے بازوں میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ تخت کو الٹا سکے، مگر اکبر اسے خاموشی سے قبول کرنے کو بھی امادہ نہیں، اس پر طنز کرتا اور اس کا مذاق بناتا نظر آتا ہے، وہ اس بات سے واقف ہے کہ قدیم و جدید کی ہاتھا پائی میں سراسر نقصان ہندوستان کا ہو گا۔

اکبر اپنی شاعری میں ایسے شخص کا کردار نبھاتے نظر آتے ہیں جو بدلتی ہوئی قدروں پر گہری نظر رکھتا ہے اور اسی وقت ہونے والی تبدیلیوں کی سرگوشیوں کو محسوس کرتا ہے جو آنے والے وقت میں ہندوستان کا نقشہ تبدیل کرنے والی تھیں۔ اکبر نو آبادیاتی سیاست اور اس کے ثمرات کو بھی پرکھ رہے تھے جس کا بیان ان کے

کلام میں ہوا ہے۔ اس دور کی سیاست کا موضوع اپنی تمام عملی کاوشوں کے ساتھ ان کے کلام میں ملتا ہے اور نمایاں نظر آتا ہے۔ جب اکبر بطور جج اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے تب بھی ان کے کلام میں حکومت کے خلاف کھل کر بیانات ملتے تھے، یہ الگ بات کہ اکبر نے اپنے اس کلام پر مزاح کا رنگ چڑھا دیا۔

اکبر کی شاعری کو پرکھ کے ایسا لگتا ہے کہ ایسا کلام کوئی ملی محبت سے سرشار شاعر لکھ سکتا ہے، جو نوآبادیاتی عوامل سے خاصی متاثر تھی۔ ان کے کلام میں ریل، انجن، موٹر، ایروویلیشن، کیمپ اور پمپ و دیگر اشیاء کے نام ملتے ہیں جو ہندوستان کی کامیابی کے نام پر یا نوآبادیاتی حکمرانی کی مضبوطی سے جڑی تھیں، اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ انہوں نے اگر برصغیر میں ٹرین چلائی، وہ محض برصغیر کی ترقی کے کے لیے نا چلائی گئی اس کے پیچھے ان کا مقصد ہندوستان کے اندرونی علاقوں تک تھا جہاں خام مال بکثرت اور آسانی سے میسر تھا۔ یہ خام مال جو ہندوستان کا سے برطانیہ لے جایا جاتا وہاں آئے انقلاب کا ضامن تھا جس کو تاریخ کی کتب میں عیاں کیا گیا ہے، اس کا عمل سے یہاں کی کامیابی پر کیسے اثرات مرتب ہوئے؟ اس سے بیگانگی اور ناواقفیت ممکن نہیں۔ اس دور نازک میں ان چیزوں کو سمجھنا آسان نا تھا اور اس دور میں ہر کوئی نوآبادیاتی عمل کے شکنجے میں آسانی سے پھنس جاتا تھا، اس عمل کو ذہن میں سمو کر ہم لسان العصر کے کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو نوآبادیاتی نظام کے خلاف اکبر کی آواز اتنی کمزور یا پتلی نہیں لگتی جتنی سنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نوآبادیاتی مطالعہ کی ایک اہم آواز اکبر کی شاعری ہے۔

مرعوب ہو گئے ہیں ولایت سے شیخ جی

یہاں صرف منع کرتے ہیں، دیسی شراب کو5

وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ انگریز قوم ہندوستانی ذہنوں کو اس سطح پر لے جانا چاہتی ہے جہاں ان کے سوچنے اور سمجھنے کے سکت ختم ہو جائے، اس ضمن میں نئی تعلیم اور جدیدیت کے نام پر جو کچھ بھی دیکھائی جا رہی ہیں ان کا تعلق صرف انگریزوں کے ذاتی مفاد سے ہے اس سے بڑھ کے ا اور نہیں۔ اکبر اور دوسرے لوگ جو اپنی پہچان دین مین سمجھتے اور تلاش کر رہے تھے وہ بھی نوآبادیات کی ایک چال کے زمرے میں آتے ہیں، یہ الگ بات کہ اکبر اس نظام کے واروں کو سمجھتے تھے۔ اپنی نظم "برق کلیسا" میں شامل اشعار میں طنزاً اسے بیان بھی کیا ہے۔ مختلف ماہرین نے اکبر کو اردو کا جدید شاعر اور وہ پہلا شخص قرار دیا جو نوآبادیات کی حقیقت کو اور اس کے اثرات کو بہت پہلے سمجھ چکے تھے۔ اکبر نے اس کے خطرات، ان نتائج کو پہلے بھانپ لیا تھا۔ اس بدبودار مغربی تہذیب کے لیے اکبر نے بعض الفاظ متعارف کروائے، مثلاً: بگڈ، کیمپ، توپ، انجن وغیرہ جو علامات کا درجہ رکھتے ہیں، ان الفاظ کا استعمال اور ان کی کارفرمائی ہم آج بھی اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ "برگڈ" لفظ اکبر کی مراد ایسے مسلمان انگریز قوم کے جگہ جگہ تابع فرماں رہے، "کیمپ" لفظ سے مراد برطانوی تہذیب تھی، "توپ" کا لفظ استعماری طاقت کے استعمال کا نام اور انجن ا استعماری قوت اور طاقت کو آگے پہنچانے نے والے عوامل کے استعارہ کے طور پر لیا گیا۔ حسن عسکری نے خوب کہا: اکبر اس زمانے میں اکیلا آدمی تھا جس نے انگریزوں کی اشیا سے نئی علامات اور استعارے نکالے، ان کے علاوہ اس زمانہ میں کوئی ایسا نہ ہوا نا دیکھا جو نشانات کو علامات کے طور پر درجہ دینے میں مہارت رکھتا ہو۔

از راہ تعلق کوئی جوڑا کرے رشتہ

انگریز تو نیٹو کے چچا ہو نہیں سکتے6

انگریز قوم کا حاصل ہندوستان کی برتری نا تھا، اگر اس قوم سے آٹے میں نمک کے برابر فائدہ یا فرق پڑ بھی گیا تو اسے کامرانی قرار دینا نا سمجھی ہو گا کہ یہ ترقی سالہا سال کی خوں ریزی اور انگریز قوم کا ہندوستان کو کھسیٹ ، بربادی، قتل عام، عزتوں کی پامالی کے بعد ترقی کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

ڈاکٹر خواجہ زکریا اس بارے لکھتے ہیں:

"یہ سوچ کتنی غلط ہے کہ انگریز ہندوستان کے حکمران نا بنتے تو نئی ایجادات یہاں نا آتیں۔ آخر یہ ایجادات ان ملکوں میں بھی پہنچ گئیں تھیں جہاں انگریز کبھی حکمران نا ہوے تھے، یہ درست ہے کہ یورپ سائنس اور ٹیکنالوجی میں بہت ترقی کر گیا تھا لیکن اس ترقی سے مستفیذ ہونے کا صحیح طریقہ یہ تھا کہ ہم یہ ہنر سیکھتے اور ان ایجادات پر دسترس حاصل کرتے"۔7

اکبر نے نو آبادیاتی نظام کے رد عمل میں شاعری کی، وہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کو پیش نظر رکھ کر صنعت وزراعت کی تعلیم کو اہم قرار دیتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں وہ شعبے ہیں جہاں انسان کو روزگار کے لیے سرمایہ دار کمپنی یا حکومت کا ملازم نہیں ہونا پڑتا لہذا وہ کہتے ہیں؛

ہر ایک کو نوکری نہیں ملے گی

ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلے گی

کچھ پڑھ کے تو زراعت کو دیکھ

عزت کے لیے ہے کافی اے دل نیکی8

اکبر الہ آبادی کو سیاست سے کوئی رغبت نا تھی لیکن انہوں نے سیاست پر موجود اثر انداز ہونے والے نو آبادیاتی دور کو اپنے کلام کا حصہ بنا کر اہل ہند کی آنکھوں پر بندھی احمقانہ پٹی کو ان کے چہروں سے ہٹانے کی کوشش ضرور کی۔ ان کے دور میں سیاسی صورت حال ماضی کے مقابلے اس لیے بھی اہم ہے کہ عوام کی دلچسپی سیاست میں اب پہلے سے بڑھ چکی تھی، اس چیز نے اکبر کو نا صرف فکری سطح پر اثر انداز کیا بلکہ انہوں نے اپنے شاعری سے ان سیاسی اور سماجی حالات کا تجزیہ کرنا شروع کر دیا۔ برصغیر میں یہ وہی دور ہے جب یہاں ہندو اور علما ایک دوسرے سے مطابقت اور ہم آہنگی نہ رکھنے کے باوجود اپنے اپنے انداز میں سیاسی صورت کے اثرات کو اپنے اندر جذب کر رہے تھے۔

ڈاکٹر افصح ظفر کہتے ہیں؛

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر05، شمارہ نمبر02، دسمبر-2024

"اکبر ہندوستانی تاریخ کے جس دور سے تعلق رکھتے ہیں وہ نئے اور پرانے خیالات و افکار اور نظریات کے ٹکراو کا دور ہے۔ خود اکبر کی زندگی کا مدخولہ گورنمنٹ رہی۔ دماغ مذہبی تعلیم سے نشو نما پانے کے باوجود سیاسی آزادی کا طلب گار رہا۔ دل اس کھوئی ہوئی عظمت کے لیے بے چین رہتا جو کبھی واپس نا آسکتی تھی، اسلیے قومی کمزوری کے فیصلہ کن مزاج نے دل کے جوش کو مصلحت پسندی پر مجبور کر دیا۔"9

حضرت اکبر نے اپنے اشعار میں مغربی قوم اور ان کے ناپاک عزائم سے پردہ چاک کرنے کا فرض ادا کیا، وہ کبھی فرنگی حکومت کو "بیری" کا نام دیتے ہیں تو کبھی "کیمپ" سے تشنیہ دیتے ہیں کہ جس طرح لوگ کیمپ کے سائے میں بیٹھتے ہیں اسی طرح اہل ہند نے انگریز حکومت کے سائے میں بیٹھنا شروع کر دیا ہے اور کہیں وہ سر سید کے عقائد سے انحراف کرتے نظر آتے ہیں تو کہیں ان کے عقیدوں کو اپنے اعتراف حق میں بیان کرتے ہیں۔ اکبر کہتے ہیں کہ سر سید نے اہل ہند کے غلط عقائد کو درست کر دیا اور آسمان والے نے رسم و رواج کا جڑ سے صفایا کر دیا ہے۔ اور آخر کار انگریز کی حکومت کے عقل و شعور اور اس کی روشنی سے اہل ہند بجنے لگے اور ان کی بصیرت بڑھنے لگی۔ اکبر ان کیفیات کو اپنے قلم کی نوک سے ایسے بیان کرتے ہیں:

پردہ توڑا آپ نے اس بت کو عیاں کر دیا

خود پری تھی اب اسے پریوں کا سایہ کر دیا

کر گئے تھے حضرت سید عقیدوں کو درست

چرخ نے رسموں کا بھی آخر صفایا کر دیا

کم ہوئی آخر بصارت روشنی میں لیمپ کی

بڑھ گئی ہو کچھ بصیرت تو جلا دیا10

اکبر کی شاعری میں نو آبادیاتی فکر و بحث گاہے گاہے دیکھنے کو ملتی ہے کیونکہ نا صرف اکبر خود اس چیز سے متاثر تھے بلکہ پورا ہندوستان اس نو آبادیاتی دور کے دلدل میں گرفتار تھا۔ اکبر کہتے ہیں کہ ہر طرف افراتفری اور لوٹ مار کا سماں ہے وہ ہندوستان کے لوگوں کے بدلتے ہوئے تہذیبی رجحان کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ مغرب نے جو روشنی لیمپ کی صورت تم لوگوں کو عطا کی ہے اس میں سوائے لوٹ مار اور حرص و لالچ کے اور کچھ نظر نہیں آرہا اور میں اسی روشنی کو ترقی کا نام ہرگز نہیں دیتا، بلکہ یہ روشنی جو مغرب نے ہمیں عطا کر دی ہے ہمارے تہذیب کے لیے جان لیوا ہے۔ اس اندھی روشنی میں ہم نے اپنی تہذیب کو بھی گنوا دیا ہے جسے تم ترقی کا نام دے رہے ہو۔

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 02، دسمبر-2024

اکبر الہ آبادی اہل ہند کے اندر موجود تہذیبی طور پر رونما ہونے والی انقلابی تبدیلیوں کو ایسے کرتے دیکھائی دیتے ہیں کہ نئی تہذیب کا رنگ ہر بلبل پر چڑھتا دکھائی دے رہا ہے اور وہ بلبل سے مراد مشرقی نوجوان لیتے ہیں جو انگریزی تہذیب کو اپنے دامن سے لگائے بیٹھے ہیں اور باغ سے مراد ان کی اہل ہندوستان ہیں، اکبر اس بات پر افسوس کرتے ہیں کہ اس باغ میں بلبل نے خود کو نئی تہذیب کے حوالے کر دیا ہے ورنہ خدا کی قسم یہ باغ سر سبز و شاداب ہے۔ اس کے آباواجداد نے پوری دنیا پر حکمرانی کی اور اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑھے، لیکن آج یہ نئی تہذیب جو کہ فرنگی تہذیب ہے، اہل ہند جوق در جوق آنکھیں بند کیے اس کی طرف لپکتے جا رہے ہیں۔

تہذیب نو کے رنگ پہ بلبل بنے ہیں سب

واللہ کیا بہار ہے اس سبز باغ کی 11

اکبر اپنی شاعری میں برصغیر میں رہنے والے باشندوں کی زندگیوں پر اثر انداز ہونے والے نو آبادیاتی اثرات کے خلاف ایک پر اثر احتجاج کرتے ہیں، اسلام مسلمانوں کے لیے ایک مکمل اور حقیقی دین ہے۔ اکبر الہ آبادی نے برصغیر کے باشندوں کے انسانی حقوق کو حوصلہ افزا قوت کے طور پر اور مذہبی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے کلام کا حصہ بنایا اور مسلمانوں پر واضح کیا کہ خود کو پہچانیں، ان کے آباواجداد کون تھے، ان کی فکر اور سوچ کیا تھی اور ان کے علم و عمل نے دنیا میں کامیابی کے پنجے کیسے گاڑھے جو کہ برصغیر میں موجود انگریز قوم کے قدم جمانے سے اپنے آباواجداد کی اہمیت کو بھولتے جا رہے تھے اور انگریز قوم کے سامنے سر خم تسلیم کرنے لگے تھے جو کہ اکبر کے لیے افسوس اور پریشانی کا عالم تھا۔ انہوں نے اسے نا صرف محسوس کیا بلکہ اس ذہنی زوال کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا اور مسلمانوں کو اس ذہنی غلامی اور زوال سے نبر آزما ہونے کے لیے بیدار کیا اور انہیں ان کے کھوئے ہوئے مقام کی پہچان کروائی کیونکہ وہ اب مکمل طور پر انگریز قوم کے دلدادہ بن چکے تھے، جو بحیثیت مسلمان، محب ملت اور محب وطن بوجھ برداشت کرنے سے قاصر تھے۔ انہوں نے جگہ جگہ اللہ تعالی کی وحدانیت اور کو عیاں کرنے کی تگ و دو کی جو کہ نہ صرف ان کی اپنے خدا سے، بلکہ ملک و قوم سے محبت ظاہر کرتی ہے۔

بقول اسلم فرخی:

"اکبر کو اپنی معاشرت، اپنی روایات، اپنے مذہب سے عشق تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنی قومی روایات کا گہرا شعور رکھتے تھے اور ان کے تحفظ کو اپنا اہم ترین فرض سمجھتے تھے"۔12

اکبر الہ آبادی اہل ہند میں موجود اسلام کے مذہبی تصادم کو باریک بینی سے بیان کرتے نظر آتے ہیں کہ ان میں مذہب کے نام پر جو جنگ چھڑ چکی ہے وہ صرف اور صرف لفظی ہے، ساتھ ہی مغربی تہذہب کی طرف بڑی سنجیدگی سے اشارہ کرتے دیکھائی دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں مذہبی لڑائی کم ہو جاتی اگر علم زیادہ ہوتا اور ان لوگوں میں پیار اور امن کی فضا قائم رہتی، لالچ کا عنصر ان میں نا ہوتا۔ اکبر الہ آبادی مغربی تہذیب اور اس کی رنگینیوں کے بہت زیادہ مخالف رہے، وہ اہل مغرب کی ترقی کو ایک ایسی روشنی کا نام دیتے ہیں جو اپنی تندی کی وجہ سے اہل ہند کی آنکھیں چنیا دیتی ہے لیکن وہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں، میری آنکھوں کا تارا صرف اور صرف مذہب اسلام ہے اور دعا

گوہیں کہ خداوند ان لوگوں کو کفر سے نجات دے، اگر ان کی اور میری آرزو کا آپس میں تعلق بن جائے تو یہ بھی جانیں کہ میں تو اسلام کی نشو نما کے لئے دعا گو ہوں۔ اہل مغرب کے لیڈروں کو کہتے ہیں کہ ان کو اپنے بڑے بڑے جہاز چلانے کے لیے آگ جیسی بے جان چیز پہ ناز و فخر ہے اور میری اس بکھری ہوئی کشتی کا آسرا اور والی صرف میرا خدا ہے۔

اکبر اکہ آبادی کی شہرت کی بڑی وجہ جہاں ان کی طنز و ظرافت تھی، وہیں ان کے اپنے عہد میں موجود مسائل کو اجاگر کرنے کی ایک ادبی کاوش بھی ہے۔ اکبر اپنے کلام میں اپنے عہد کو یوں سلاست سے بیان کرتے ہیں کہ قاری کا ہاتھ پکڑ کر اس کی منزل کا راستہ بتا دیا جائے اور تمام حالات کو ان پر آشکار کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ ادبی کاوش ان کو آج تک جدید دور میں بھی زندہ و جاوید کئے ہوئے ہے۔ اس طرح اکبر نہ صرف سیاسی بلکہ روائتی طور پر بھی اپنے قوم کی اصلاح کا فرض اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ مذہب اسلام کے نقوش کو آہستہ آہستہ اہل برصغیر کے دلوں سے رخصت ہوتا ہوا دیکھ رہے تھے جو کہ ان جیسے محب وطن شخص کے لئے ناقابل برداشت تھا۔۔ اکبر کے عہد میں مذہب میں نقائص نکالے جا رہے تھے اور ملت اسلامیہ کے اندر نقائص کا انبار اہل مغرب تلاش کر رہے تھے اور اس میں برصغیر کے باسی بھی اغیار کا ساتھ دے رہے تھے۔ ہر بندہ نصیحت کرنے والا تھا، بیشتر تو ایسے مل رہے تھے جو عبادت سے دور بھاگ رہے تھے، خود بے عمل اور دوسروں کو نصیحت کرتے پائے جاتے۔ اکبر کے مطابق یہ عہد مذہب سے نقص نکالنے کو نیکی اور عبادت تصور کرتا ہے۔

اس عہد میں یہی ہے بس داخل نکوئی

مذہب پہ نکتہ چینی ملت کی عیب جوئی

شوق عمل نہیں ہے فکر کی اجل نہیں

ناصح بنے ہیں اکثر عابد نہیں ہے کوئی13

اکبر سرسید اور حالی کی طرح ہمارے معاشرے میں موجود بہت سے رجحانات کے امانت دار ہیں۔ ان کے کارناموں کی صلاحیت اور اردو ادب میں ان کے مقام کو رجعت کہا جاتا ہے۔۔ انہیں ایک نوحہ گر تسلیم کیا گیا جو اقدار کے منفی پہلو اور روایات کی گرتی ہوئی عمارت کا ماتم کرتے ہیں، بعض نقادوں کے مطابق اکبر صرف ماضی کے مرثیہ خواں ہیں اور مستقبل کے نقیب نہیں، ان کے مطابق اکبر ایک محدود نقطہ نظر اور ذہنیت کے ترجمان نظر آتے ہیں، اکبر اگر ایسے ہی تھے تو وہ منفی نقطہ نظر کے مالک قرار پاتے ہیں جو نئے شعری تجربے کی بنیاد رکھنے کے قابل نہ تھے لیکن اکبر ادب میں نئی وسعتوں کے قائل تھے، ان کو قدیم سانچے میں ڈھلی زبان، استعارات، تشبیہات اور علامات کا مریضانہ چسکا نہ تھا جو ماضی پرست شاعر کا سرمایہ حیات ہوتا ہے بلکہ انہوں نے طنز و ظرافت میں نئے نئے پہلو دریافت کیے اور علامتوں کے استعمال سے بڑے علامت ساز شاعر بنے۔ اکبر کی شاعری حالی کی انتہا پسندی کا دوسرا پہلو ہے جس کے بغیر ادب کی نئی تحریکیں نہیں چل سکتی تھیں، اکبر نے حالی اور اور انکے رفقاء کا یکطرفہ پن ختم کیا، اکبر نے نا صرف نئے ماحول، ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کی عکاسی کی بلکہ انہیں ہضم کرنے کا احساس بھی دلایا۔

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 02، دسمبر-2024

اکبر کا دور دراصل سیاسی کشمکش اور افراتفری کا دور تھا۔ انگریز برصغیر میں ایک فاتح کے طور پر داخل ہو چکے تھے، انگریزوں کے رواج، ان کی تمدن، قومیت اور مذہب سب کچھ ہندوستان سے الگ تھا، ان کے ہندوستان میں قدم جماتے ہی سماجی، معاشی، مذہبی اور اخلاقی تبدیلیاں بھی رونما ہونے لگیں۔ انگریز اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ ہندوستان پر حکومت کرنے کے لیے اس قوم کو مستقل غلامی کے شکنجے میں کسنا ضروری ہے اور اس کے لیے ان پر انگریزی تہذیب و تمدن کی چھاپ پڑنا ضروری ہے اور آہستہ آہستہ اس معاشرے کو مغربی رنگ میں ڈھالا جائے، صرف اس صورت میں وہ ایک فاتح قوم کی حیثیت سے یہاں قدم جما سکتے ہیں۔ اکبر سیاسی لیڈر تو نا تھے لیکن ان کی آنکھ جو کچھ دیکھتی وہ فن کے دائرے میں رہتے ہوئے شاعری میں اس کا اظہار کر دیتے، انہوں نے ملکی افکار اور ملکی حالات پر نظر دوڑائی اور اپنے افکار کو کہیں سنجیدہ تو کہیں ظریفانہ انداز میں کیا، انہوں نے سامراجی حالات، ملکی سیاست اور حکمت عملی کے نشیب و فراز کے بارے بہت کھل کر لکھا، ان کے شاعری میں محکومی اور محرومی کا تلخ مزاج، انگریزوں کے ظلم و ستم، ہندوستان کے سیاسی مسائل اور ہندو مسلم تعلقات پر تبصرہ ملتا ہے۔ انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے سامراج پر بھرپور وار کیے اور یہ وار اس وقت کیے جب ہر اعلی و ادنی انگریزی عہد کے فوائد گننے میں مصروف تھا تھا۔ اکبر نے بھی اکثر مقامات پر اپنے ہم وطنوں کے ساتھ سر جوڑ کر انگریز اور انگریزیت کی طرح طرح کی نعمتوں اور فیوض کا ذکر کیا ہے لیکن ساتھ ہی انہوں نے عبرت کا ایک تازیانہ محکوموں کی بے حسی اور بے غیرتی پر بھی دسید کیا۔

جب اتنی نعمتیں موجود ہیں یہاں اکبر

تو حرج کیا ہے جو ساتھ اس کے ڈیم فول بھی ہے 1714

الغرض اکبر ایک ایسے مصلح کا نام ہے جس نے مغربی تہذیب و تمدن، مسلمانوں کی مغربی تہذیب سے ہمدردیاں اور قربت، معاشرے کے ناجائز رسم و رواج، اپنے عہد کی فرنگی سیاست، تب کی سیاسی تحریکوں اور رجحانات کے خلاف اپنی طنز و مزاح سے بھرپور شاعری سے شہرت دوام حاصل کی اور ادبی تاریخ کے پنوں میں "لسان العصر" کا لقب پایا۔

اکبر نے جس دور میں آنکھ کھولی اس وقت برصغیر کا سبزہ اپنی ہریالی چھوڑ چکا تھا اور خاک کے زروں میں بھی تاب سرکشی آچکی تھی، اس لیے اکبر کی تمام شاعری پر نو آبادیات کے اثرات کو روز روشن کی طرح محسوس کیا جا سکتا ہے جس میں انگریزوں کا ہندوستان میں تجارت کے واسطے آمد سے لے کر ہندوں اور مسلمانوں کی زندگی کے تمام شعبوں میں غاصبانہ قبضے کو وضاحت سے شامل کیا گیا ہے، پہلے پہل تو انگریزوں نے ہندوستان کے تمام معدنی ذخائر اور تجارت کے راستے تلاش کیے اور پھر اردو زبان کو سیکھا ہندوستان میں تعلیم کے غرض سے مدرسے قائم کیے، جہاں ہندوں اور مسلمانوں کو اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کے لیے انہیں ان کی ثقافت اور مذہب سے دور کرنے کے نت نئے طریقے ایجاد کرنے لگے جسے سمجھنا عام آدمی کی بس کی بات نہ تھی، ایسے میں سید اکبر حسین رضوی زمانہ شناس شاعر اور ادیب بن کر سامنے آئے اور مصلح قوم بن کر ابھرے، اکبر اپنی قلم کے زور سے اپنے قوم کو جگانے کے لیے ہمہ وقت جدوجہد میں مصروف عمل رہے۔ انہوں نے اپنے قلم کی نوک سے انگریزوں کے پوشیدہ اور سفاکانہ عزائم سے اپنی سادہ لوح قوم اور لوگوں کو روشناس کرانے کا فریضہ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا، جس بنا پر ان کے اپنے لوگ اور

رفقاء اپنی ادنی سوچ کے پیش نظر ان سے اکثر خفا رہتے، اس لیے اکبر تنہا تو ضرور ہو گئے لیکن وہ اس قدر باہمت اور عظیم جوش وولولہ کے مالک تھے کہ انہوں نے اپنے قلم کی سیاہی کو دھندلا نہ پڑنے دیا بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔

روشنی سر میں گداز غم دل مایوس میں

شمع ساہم جل رہے ہیں مغربی فانوس میں

روکتا ہوں زور دریا تو فرماتے ہیں وہ

آج کل برکت بڑی ہے خرمہ سالوس میں 15

حوالہ جات؛

1.ڈاکٹر ناصر عباس نیر: "نو آبادیاتی صورتحال" مشمولہ:1857ء کی جنگ آزادی اور اردو زبان و ادب، مرتبہ؛ڈاکٹر ضیاء الحسن،ڈاکٹر ناصر عباس نیر (اورینٹل کالج،لاہور،2008ء)ص 243-44

2۔اکبر الہ آبادی:"کلیات اکبر" خزینہ علم و ادب لاہور،2010ء،ص57

3۔ایضا،ص67

4۔ایضا،ص73

5۔ایضا،ص15

6۔ایضا،ص13

7۔ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا:"اکبر الہ آبادی" انجمن ترقی اردو کراچی،2002ء،ص2

8۔اکبر الہ آبادی:"کلیات اکبر" خزینہ علم و ادب لاہور،2010ء،ص19

9.فصیح ظفر،ڈاکٹر،اکبر الہ آبادی،ایک سیاسی و سماجی مطالعہ (لاہور:دارالشعور،2015)ص83

10۔اکبر الہ آبادی:"کلیات اکبر" خزینہ علم و ادب لاہور،2010ء،ص19

11۔ایضا،ص110

12۔نگار پاکستان اکبر نمبر1941ء،ص56

13۔اکبر الہ آبادی:"کلیات اکبر" خزینہ علم و ادب لاہور،2010ء،ص349

14۔اکبر الہ آبادی:"کلیات اکبر" مکتبہ شعر و ادب،لاہور،س۔ن،ص107

15۔اکبر الہ آبادی:"کلیات اکبر" خزینہ علم و ادب لاہور،2010ء،ص523